”تاریخ دعوت وعزیمت“
ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد امین ☆

دعوت دین، جس کے دوسرے عناوین تبلیغ، تعلیم وتربیت، اصلاح، انذار، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور شہادت حق وغیرہ ہیں، ہمارے دین کا ایک بنیادی ستون ہے۔ اس لیے کہ اسلام، خود اس کے نازل کرنے والے کے مطابق، اس الاسلام کا آخری ایڈیشن ہے جو سارے انبیاء کے ذریعے بن نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا جاتا رہا ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور اب ان کے بعد کوئی نیا رسول نہیں آئے گا[(1)]۔ اب سوال یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اس امر کے انتظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اقدامات فرمائے وہ یہ ہیں:

1۔ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اور کہا کہ یہ کتاب ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گی۔[(2)]

پہلی قوموں کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتب محفوظ نہ رہیں اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر مستقل ہدایت کا سامان کر دیا۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کسی خاص قوم یا علاقے اور وقت کے لیے پیغمبر نہیں ہیں بلکہ ان کی دعوت دنیا کے سارے انسانوں کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے[(3)]۔

3۔ جو شریعت حضور اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس کے شمول وکمال اور جامعیت کا انتظام

☆ سینئر ایڈیٹر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

فرمایا۔ بنیادی امور میں ناقابل تغیر احکام عطا کیے اور جہاں توسع کی ضرورت تھی وہاں صرف پالیسی کے اصول دے کر امت (کے اہل علم) کو اجتہاد و استنباط کی اجازت دے دی[4]۔

4۔ امت کی یہ ڈیوٹی بھی لگا دی کہ اب قیامت تک دوسرے انسانوں تک اس دین کو پہنچانا اور یہ دیکھنا کہ وہ خود بھی اس دین کو محفوظ رکھے اور اس پر عامل رہے' اس کی (یعنی اس کے اہل علم و فضل کی) ذمہ داری ہے (5)۔

یہ آخری چیز جس کا ہم نے ذکر کیا وہی ہے جسے ہم دعوت و اصلاح' تبلیغ و تلقین' تعلیم و تربیت' انذار' امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور شہادت حق وغیرہ کہتے ہیں اور الحمدللہ کہ امت اس پر عامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرہ پچھلے چودہ سو سال سے بلا انقطاع قائم ہے' دین کے بنیادی ماخذ اس کے پاس محفوظ ہیں اور بلاشبہ امت کبھی ٹھوکر بھی کھاتی ہے' کبھی گرتی اور لڑھکتی بھی ہے لیکن بہرحال وہ پھر سنبھل بھی جاتی ہے اور اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ وہ اپنا سفر آج بھی جاری رکھے ہوئے ہے اور چونکہ اس کی قوت کے منابع اس کے پاس محفوظ ہیں اس لیے ہمارے دل آج بھی اس امید سے پُر ہیں کہ جلد ہی ہم مسلمان ان کمزوریوں پر قابو پا کر پھر اسلام کی عظمت کا جھنڈا ساری دنیا پر لہرائیں گے، انشاءاللہ۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو امت کی دعوت و اصلاح کی تاریخ کا مطالعہ انتہائی اہم ہے۔ ظاہر ہے ہر عہد اور ہر معاشرہ اپنے مخصوص حالات اور تقاضے رکھتا ہے اور اسلام کی دعوت اور پیغام کی یکسانی کے باوجود' ہر عہد میں دعوت و اصلاح کی حکمت عملی اور لائحہ عمل ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتا ہے' بلکہ ہونا چاہیے لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے حال کی جڑیں ہمارے ماضی سے پیوستہ ہوتی ہیں لہٰذا اگر ہم آج دعوت و اصلاح کی حکمت عملی اور طریق کار اپنے لیے وضع کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ماضی میں ہم یہ کام کیسے کرتے رہے ہیں؟ جس طرح آج کا ادیب اور شاعر اس وقت تک حقیقی معنوں میں بڑا ادیب اور شاعر نہیں بن سکتا جب تک ماضی کے ادب و شعر کے ذخیرے کو نہ کھنگال چکا ہو۔ وہ ادب و شعر میں کوئی نیا تخلیقی تجربہ نہیں کر سکتا جب تک وہ ماضی میں کیے گئے تخلیقی تجربات کا شناور نہ ہو۔ اسی طرح آج کے دور میں' اس کے مخصوص تقاضوں کے مطابق اگر ہم دعوت و اصلاح کی نئی پالیسی تشکیل دینا چاہیں تو اس کے لیے ضروری بلکہ ناگزیر ہے

کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے اسلاف نے اس کے لیے کیا مناہج اختیار کیے تھے؟ یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب میں جب مسلمان کئی صدیوں کی غلامی اور قعر ذلت میں گرے رہنے کے بعد' دوبارہ انگڑائی لے کر اٹھ رہے تھے تو ان کے سوچنے سمجھنے والوں نے اپنے ماضی کے دعوتی و اصلاحی کام کا جائزہ لینا ضروری سمجھا تا کہ مستقبل کے لیے صحیح راہ عمل کے انتخاب میں آسانی رہے۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند میں اس موضوع پر کافی کچھ لکھا گیا' جن میں سے نمایاں تحریروں میں سے ایک تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ''تجدید و احیائے دین'' کے نام سے ایک مختصر کتاب ہے۔ پھر مولانا امین احسن اصلاحی نے اس موضوع پر ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' میں اپنے خیالات قلم بند کیے۔ یہ دونوں کتابیں بہت اہم ہیں اور اس میں ماضی کے دعوتی و اصلاحی کام کا دلیرانہ تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کاموں کی کمزوریاں بھی واضح کی گئی ہیں اور مستقبل کے کام کا نقشہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ تاہم خود یہ کام بھی بعض پہلوؤں سے یک رخے ہیں' خصوصاً ان میں ماضی میں کیے گئے دعوتی و اصلاحی کاموں کی صحیح Appreciation (قدر شناسی) موجود نہیں اور اسی وجہ سے ان سے صحیح نتائج اخذ نہیں کیے جا سکے۔ اسی زمانے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور امت کی چودہ سو سالہ دعوت و اصلاح کی ایک تفصیلی تاریخ لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے اسے سات جلدوں میں مکمل کیا' پہلی جلد میں پہلی سات صدیوں کی دعوتی تاریخ ہے۔ دوسری جلد آٹھویں صدی ہجری (م ۷۲۸ء) کے امام ابن تیمیہ کی دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں پر مشتمل ہے' تیسری جلد میں اسی صدی کے خواجہ معین الدین چشتی' نظام الدین اولیاء اور مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کی دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کی تفصیل ہے۔ چوتھی جلد میں گیارھویں صدی ہجری کے مجدد الف ثانی کے حالات زندگی اور دعوتی کارناموں کا ذکر ہے۔ پانچویں جلد میں بارھویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے دعوتی و اصلاحی کام کی تفصیل ہے اور چھٹی اور ساتویں جلد میں تیرھویں صدی ہجری کے سید احمد شہید کی تحریک دعوت و جہاد کا تفصیلی بیان ہے بلکہ اگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کی سوانح پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے' اسے بھی اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی شمار کر لیا جائے تو گویا اس طرح انہوں نے امت کی دعوت و اصلاح کی تاریخ کا جامعیت کے ساتھ از اول تا عہد حاضر احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا ندوی نے اس کتاب میں جن اکابر کا ذکر کیا ہے' محض ان کے حالات زندگی لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پہلے وہ اس علمی' تاریخی اور تہذیبی پس منظر کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ان اجتماعی خرابیوں اور

کمزوریوں کا بھی حوالہ دیتے ہیں جو امت کو لاحق ہو چکی تھیں' پھر اس شخصیت کے داعیانہ کردار اور مصلحانہ کاوشوں کی تفصیلات بیان کرتے ہیں تا کہ اس شخصیت کے اوصاف و کمالات اور اصلاح امت میں اس کے اثرات واضح ہو کر ہمارے سامنے آسکیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کو سوانح نگاری میں کمال حاصل تھا' بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ان کے فن کا اصل میدان تھا' لہذا تاریخ دعوت وعزیمت میں انہوں نے بالواسطہ طور پر جن شخصیات پر لکھا ہے ان پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ عربی مراجع ان کی براہ راست پہنچ میں تھے' مطالعہ ان کا وسیع تھا اور فن تحقیق کے وہ شناور تھے، اس لیے وہ کھوج کرید کر موزوں مواد اکٹھا کرنے میں اکثر کامیاب رہتے تھے۔ تاریخ دعوت وعزیمت میں ان کا زیادہ کام صوفیاء پر ہے اور صوفیاء کے حالات زندگی پر جو کچھ ان کے خوش عقیدہ مریدوں نے عام طور پر لکھا ہے اس میں کشف وکرامات کے طولانی قصوں کے علاوہ کام کی بات کم ہی ملتی ہے۔ خود انہوں نے دعوت وعزیمت کی تیسری جلد کے حرف آغاز میں اس مشکل کا ذکر کیا ہے کہ صوفیاء کے تذکروں کے دفتر کے دفتر پڑھ جاؤ تو کام کے محض چند جملے ملتے ہیں' اس کے باوجود ان کی ہمت کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے ان قصوں کو عموماً نظر انداز کر کے محض کام کی باتیں ڈھونڈی اور لکھی ہیں اور یہ کوئی معمولی مجاہدہ نہیں ہے۔

ہمارے عہد کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس میں تصوف کے حوالے سے لوگ دو انتہاؤں میں تقسیم ہو گئے ہیں کچھ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تصوف سراسر بے دینی ہے' اس کے منابع اسلامی نہیں اور بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے متوازی ایک الگ دین ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ تصوف میں جو کچھ بھی ہے صحیح ہے اور عین اسلام ہے اور جو لوگ اسے نہیں مانتے وہ دین سے بے بہرہ ہیں وغیرہ۔ ان دونوں انتہاؤں میں حقیقت بے چاری منہ چھپا کر رہ جاتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کچلی جاتی ہے۔ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ مولانا ندوی کا رویہ اعتدال پر مبنی ہے۔ ان کے ہم عصر جن دو بزرگوں کا پہلے ذکر ہوا کہ انہوں نے دعوت واصلاح کی تاریخ پر لکھا ہے' ان کا رجحان پہلی انتہاء کی طرف تھا اور بعید نہیں کہ ان کوششوں کو دیکھتے ہوئے ہی مولانا ندوی کو صحیح انداز میں دعوت وعزیمت کی تاریخ پیش کرنے کا خیال آیا ہو۔ بہر حال' جو صورت بھی ہو' اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں وہ تصوف کی غیر اسلامی رسوم ورواج کو رد کرتے ہیں' وہیں اس کی مثبت خدمات کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ دو انتہاؤں سے بچ کر وسط کی راہ پر چلنا ایسے ہی ہے جیسے ایک ماہر بازیگر رسے پر چلتا ہے' بلاشبہ وہ کبھی دائیں جھک جاتا ہے اور کبھی بائیں لیکن بہر حال وہ اپنا توازن قائم رکھنے میں کامیاب ہو

جاتا ہے۔اس لیے ممکن ہے کوئی صاحب کہیں کہ اکابرین تصوف پر لکھتے ہوئے مولانا ندوی فلاں جگہ توازن برقرار نہیں رکھ سکے اور دائیں یا بائیں جھک گئے ہیں لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ اس توازن کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ندوی نے تاریخ دعوت وعزیمت لکھ کر ایک بڑا علمی خلا پر کیا ہے اور آئندہ کے لیے اس موضوع پر سوچنے اور لکھنے کا در وا کیا ہے۔ یہ ان کا ہم پر کوئی معمولی احسان نہیں۔ مولانا کے اسلوب تحریر کی خوبیاں اس کتاب میں بھی نمایاں ہیں۔ وہ صنف ادب کے جس گھوڑے پر بھی سوار ہوں متانت' سلاست اور روانی ہمیشہ ان کے ہم رکاب رہتی ہیں۔ ہمارے نزدیک اچھے ادب کا معیار یہ ہے کہ تحریر موثر ہو اور ابلاغ کا حق ادا کردے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تاریخ دعوت وعزیمت ایک عمدہ ادب پارہ ہے اور اگر کسی ترقی پسند ادیب کے مطابق ادب کی تعریف یہ ہو کہ اس میں دین کا ذکر نہیں آنا چاہیے تو پھر مولانا ندوی بلاشبہ عالم دین تھے' ادیب نہ تھے لیکن ہمارے نزدیک ادب کی یہ تعریف خود بے ادبی سے کم نہیں۔

تاریخ دعوت وعزیمت کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مولانا نے عصری تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے تفصیلی فہرستیں بنوا کر ہر جلد کے آخر میں شائع کی ہیں اور ان فہرستوں میں شخصیات' کتب' اقوام وقبائل، طبقات' اماکن اور جو چیزیں ان عناوین کے تحت نہ سما سکیں' ان کے لیے متفرقات کے زیر عنوان تفصیلی فہرستیں بنوائی ہیں جبکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے ہم عصر علماء کی اکثر کتب اس طرح کی فہارس سے محروم ہیں۔

تاریخ دعوت وعزیمت کی خوبیوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ چوں حکایت لذیذ بود دراز ترگفتم لیکن ہم مقطع میں ایک آدھ سخن گسترانہ بات کہہ کر موضوع کو سمیٹتے ہیں۔

مسلمانوں کے دور تقلید کی (اور یہ وہ دور ہے جس میں ہم آج بھی رہ رہے ہیں) علمی روایت یہ ہے کہ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است اور ادب کا تقاضا یہ سمجھا جاتا ہے کہ بزرگوں سے اختلاف کرنا بھی مذموم ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ اس غلط علمی روایت کو اب ہمیں ہمت کرکے خیر باد کہہ دینا چاہیے۔ اسلام حریت فکر کا علمبردار ہے اور نبی آخرالزمان ﷺ نے اس حریت فکر کی تائید کرکے انسانی تاریخ فکر میں نئے سنگ ہائے میل قائم کیے ہیں۔ حضرت حباب بن منذرؓ نے بدر میں آپ ﷺ سے کہا کہ جہاں آپؐ نے فوج کو پڑاؤ

کا حکم دیا ہے' وہ جگہ مناسب نہیں ۔حضور ﷺ نے خندہ پیشانی سے ان کی بات سنی اور مان لی ۔(6) آپ ﷺ نے اپنی خادمہ بریرۃؓ سے کہا کہ خاوند کے ساتھ رہو' اس نے کہا آپؐ حکم دیتے ہیں؟ فرمایا حکم نہیں دیتا' سفارش کرتا ہوں ۔ بریرۃؓ نے کہا میں نہیں مان سکتی' میرا اس شخص کے ساتھ رہنے کو دل نہیں چاہتا ۔(7) ایک لڑکی نے آپؐ کے پاس آ کر کہا کہ میرے والد نے میری مرضی کے بغیر میری شادی فلاں جگہ کر دی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے شادی برقرار رکھو یا اسے فسخ کر دو ۔ (8) اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ ورسول کا فرمان سر آنکھوں پر' صحابہ کی آراء سے بھی ہم باہر نہیں جاتے لیکن جہاں تک ابن سیرین' ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ کا تعلق ہے تو ''ھم رجال ونحن رجا'' (9) اور یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتب اٹھا کر دیکھے' شیخین ہر جگہ امام ابوحنیفہ سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں لیکن آج ہم میں سے کوئی دلائل کے ساتھ بھی امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کرے تو ہر طرف سے پتھر اس کی طرف لپکتے ہیں ۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آ گئی ورنہ ہم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ اگر مندرجہ ذیل پہلوؤں کا خیال رکھا جاتا تو تاریخ دعوت وعزیمت کی دینی اور ادبی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا:

1۔ اگر کتاب کا نام تاریخ دعوت وعزیمت کی بجائے تاریخ دعوت واصلاح ہوتا جیسا کہ وہ اصلاً ہے۔

2۔ اگر کتاب پر سوانح نگاری کا رنگ غالب نہ ہوتا' اس وقت کیفیت یہ ہے کہ پہلی جلد کو چھوڑ کر باقی ساری جلدیں صرف اشخاص کی سوانح ہیں ۔اگر مولانا پہلی جلد کا اسلوب اور معیار باقی جلدوں میں برقرار رکھتے تو نہایت عمدہ چیز وجود میں آتی ۔

3۔ اگر تاریخ دعوت وعزیمت پر تذکار صوفیاء کا غلبہ نہ ہوتا ۔اس وقت کیفیت یہ ہے کہ پہلی دو جلدوں کو چھوڑ کر باقی ساری جلدیں صوفیاء پر ہیں ۔

4۔ اگر اس تاریخ دعوت وعزیمت پر برصغیر کے صوفیاء کا تذکرہ غالب نہ ہوتا کیونکہ پہلی دو جلدوں کو چھوڑ کر باقی ساری جلدیں برصغیر پاک وہند کے صوفیاء کے تذکرے پر مشتمل ہیں ۔اس طرح باقی عالم اسلام کی تاریخ مولانا کی توجہ سے محروم رہ گئی ۔

بہر حال ہماری ان طالب علمانہ تجاویز سے، جن کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں، کتاب کی قدر و قیمت ہرگز کم نہیں ہوتی اور نہ مصنف علیہ الرحمہ کے مرتبے پر کوئی زد پڑتی ہے۔ تاریخ دعوت و عزیمت مولانا ندوی کی شاہکار کتاب ہے اور جب تک اردو زبان اور اسلام پر لکھنے پڑھنے والے لوگ زندہ ہیں مولانا کا یہ کارنامہ بھی زندہ رہے گا اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنا رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مراجع

۱۔ الاحزاب ۳۳:۴۰

۲۔ الحجر ۱۵:۹

۳۔ سبا ۳۴:۲۸

۴۔ ابوداؤد، السنن، ابواب القضاء، باب اجتہاد الرای فی القضاء، ص ۱۴۸۹، دار السلام، الریاض ۱۹۹۹ء

۵۔ البقرہ ۲:۱۴۳

۶۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج ۲ ص ۴۰۲، عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، القاہرہ ۱۹۶۴ء

۷۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرہ، ص ۴۵۶ دار السلام، الریاض ۱۹۹۹ء

۸۔ امام احمد بن حنبل، المسند، ج ۱ ص ۲۶۴، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء

۹۔ ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۱۰ ص ۴۵۱، حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ